Tarjihaat
Volume: VI
Issue: V
جون ۲۰۲۵
June . 2025
ISSN: 2583-0082
Online Research Journal

سلیم سرور

قربانی

شہر کے جنوب میں، بازارِ یوسف کے آخری کونے پر وہ چھوٹی سی دکان برسوں سے کھڑی تھی۔ تختی پر ہاتھ سے لکھا تھا: ‘‘درزی فن پارہ’’۔ مگر فن پارہ کا ترجمہ اس نے خود سے "فریب پارہ" کر لیا تھا۔ وہ کپڑے کم اور تاثر زیادہ سیتا تھا، اور جب سوئی قمیص میں چلتی تو دھاگا ضمیر پر رینگتا محسوس ہوتا۔۔۔ مگر وہ ہر بار اس آواز کو سلائی مشین کے شور میں دفن کر دیتا۔

اس کا اصل نام تو ‘‘دراب زی’’ تھا، گویا تقدیر کا ایسا کڑاک دار طنز تھا جس نے اپنے نام کے بامعنی حرفوں کو بامقصد عمل میں کبھی بھی ڈھالنے کی کوشش نہ کی۔ مگر محلے بھر میں بس درزی کے نام سے پہچانا جاتا۔ شاید اسی لیے کہ وہ ہر کپڑے میں کوئی نیا ‘‘دھاگا’’ چھوڑ جاتا تھا، کبھی کم بٹن، کبھی ٹیڑھی قینچی، اور سچ تو یہ ہے کہ اس ٹیڑھی قینچی سے کپڑا کم اور اعتماد زیادہ کاٹتا تھا۔ اور کبھی پرانی سلائی نئی قیمت پر۔ اس نے کبھی دھاگے کے ایک تار کو بھی رائیگاں نہیں جانے دیا، اور ایک گز کپڑے میں بھی ایسا کمال دکھاتا کہ دیدۂ بینا دنگ رہ جاتا۔ مگر یہ کمال اس کے ہاتھ میں کم، اس کی نیت کی گرہ میں زیادہ پنہاں تھا۔ جہاں چار گز ریشمِ فاخرہ درکار ہوتا، وہ تین گز میں ہی کام چلانے کے ہنر دکھاتا، اور بقیہ پارچہ اپنی گٹھڑی میں ‘‘فائدہ’’ کے نام پر سمیٹ لیتا۔ زبان پر ہر وقت شریعت کے موتی بکھرتے، مگر اس کی دکان کا میزان ہمیشہ ایک پلڑے کی جانب جھکا رہتا، گویا عدل و انصاف کی آنکھ توازن کے معیار سے عاری ہے۔

ذی الحج کا چاند نکلا تو آسمان پر مگر چمک درزی کی آنکھوں میں بکھیر گیا۔ دکان کے سامنے گویا چاندنی بکھر گئی۔ گاہکوں کی قطار لمبی ہوتی گئی، اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری۔ ‘‘بھائی جان، سلائی اب دو دن میں ہو گی، اور ریٹ... تھوڑا سا بڑھ گیا ہے، مہنگائی دیکھ رہے ہیں نا!’’۔ گاہک گھبرا کر مان جاتے، اور درزی مطمئن ہو جاتا جیسے ہر سلائی کے ساتھ کسی فریب کا علم سینے جا رہا ہو۔

جب کوئی ناچار گاہک تعریف کر دیتا تو مصنوعی انکسار سے کہتا: ‘‘اللہ کا کوئی خاص کرم ہے، میرے ہاتھ ہنر کا کرشمہ بن چکے ہیں۔ محنت اور نیک کمائی کا اثر ہے۔’’

اصل میں جناب ریاکاری کی پگڑی باندھ کر خود کو پارسا ثابت کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ لفظوں کا جال، غیر عملی زندگی اور فیس بک کی پوسٹیں اس کا غیر مکتوب عقیدہ تھا۔

عید سے پانچ دن قبل وہ بازار مویشیاں سے دو دانتوں والا، چمکتے سینگوں والا سیاہ بکرا لے آیا۔۔۔چال ایسی گویا نر گھس کا ہر قدم ادا ہو، جسم ایسا کہ دینو ساری پہلوان لگے۔گھر میں بیوی بچوں سے محلے کے ہر فرد، دکان کے ہر گاہک اور حتیٰ کہ راہ چلتے گامے شیدے کو بھی بتاتا کہ لکھ روپیا تے لگ گیا مگر بچے بھی راضی اور سنت ابراہیمی دی بھی چس آجائے گی۔

بیوی نے سوالیہ نظروں سے دیکھا: ''کیا اتنی بڑی قربانی کا بوجھ۔۔۔؟''جواب آیا

''قربانی میں دکھاوا نہیں دکھانا ضروری ہوتا ہے۔''

محلے کے مولوی صاحب نے بھی جوڑے کے لیے کپڑا دیا۔درزی نے سوچا: "اسی کے ہاتھ قربانی کے خلوص کا سبق سنوں گا، اور اسی کو دکھاؤں گا کہ میں بھی حضرت ابراہیمؑ کی سنت کا پیروکار ہوں۔"

درزی: ''مولوی صاحب، قربانی کی اصل روح کیا ہے؟''

مولوی: ''خلوص، نیت اور ایثار۔''

درزی سینہ چوڑا کرتے ہوئے: تو اگر کسی نے مہنگا بکرا لیا، وہ بھی خلوص اور ایثار کے عام درجے پر ہو گا؟''۔

مولوی: خلوص کا تعلق دل سے ہے، نرخ سے نہیں۔اللہ کو نہ گوشت پہنچتا ہے، نہ خون۔۔۔بس نیت پہنچتی ہے۔''

درزی کھیسیں نکالتے ہوئے: ''نیت تو میری جیب میں ہے مولوی صاحب، اور بکرا محلے بھر کی آنکھوں میں۔''

مگر اصل قربانی تو وہ محلے کے درزی شاگردوں سے لیتا تھا۔۔۔تین سو روپے فی جوڑا، اور وہی جوڑے گاہک سے پندرہ سو میں۔کسی نے پوچھا تو کہتا: ''بھائی، میں تو بس معیار کا خیال رکھتا ہوں۔خود ہی سیتا ہوں سب کچھ۔''ریا کا خنجر چپ چاپ چلتا گیا، اور کپڑے ترازو میں رکھ کر ایمان کا وزن کم کیا جاتا رہا۔

دو روز قبل بکرا لا کر دکان کے باہر باندھ لیا اور ہمسائے دکان دار نے قیمت سنتے ہی آنکھیں پھیلا دیں۔درزی نے دھیمی آواز میں کہا:

"پورا لکھ۔اصل میں بچوں کی خوشی اور اللہ کی رضا—بساط سے زیادہ لیکن نیت صاف ہے!"

نیت؟ یا نیت کی تشہیر؟

محلے بھر میں بکرا گلی گلی گونجا۔بچے خوش، بیوی مطمئن، مگر سب سے زیادہ خوش وہ خود۔

کہتا پھرتا: "ہم بھی کچھ کم نہیں، اللہ کی راہ میں بہترین دیتے ہیں!"

عید سے ایک روز قبل پھر مولوی صاحب کو راہ چلتے جالیا:

درزی: "مولوی صاحب، آپ کے خیال میں قربانی میں نیت اہم ہے یا جانور؟"

مولوی: "نیت تو اصل ہے درزی بھائی، جانور تو محض علامت ہے۔"

درزی: "بس یہی سوچ کر مہنگا خریدا ہے، نیت کی گہرائی نظر آنی چاہیے!"

مولوی صاحب نے کچھ کہنا چاہا مگر پھر چپ ہو گئے۔ شاید جانتے تھے، یہ زبان نیت کے بجائے نمود کی عبادت گزار ہے۔

دوپہر کو درزی، بکرا دکان سے واپس گھر لے جا رہا تھا تو رحیم بخش سے سامنا ہو گیا۔ درزی نے رحیم بخش کی بکری پر نظر ڈالی تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔ "رحیم بخش! یہ بھی کوئی قربانی ہے؟ اللہ کی راہ میں لٹانے والی چیز تو ایسی ہونی چاہیے جو اپنی جان سے بھی عزیز ہو! لوگ فربہ اونٹ اور تنومند گائے ذبح کرتے ہیں، میرے بکرے کو دیکھو اور تم اس چھیچھڑے کو لے آئے ہو، گویا بچھو کے ڈنک کو سانپ کا تریاق سمجھ رہے ہو!"

رحیم بخش نے ایک گہری آہ بھر کر کہا، "درزی صاحب! یہ میری بساط ہے۔ مجھے صرف قربانی کرنی ہے تاکہ سنت پوری ہو نہ کہ دنیا سے مقابلہ ہو، اور مجھے یقینِ کامل ہے کہ اللہ دلوں کے بھید جانتا ہے، ظاہری آب و تاب کو نہیں۔" اس کی بات میں وہ سچائی تھی جو رومی کے فلسفے میں "نیت کی پاکیزگی" کا جوہر کہلاتی ہے۔

درزی نے قمیص پر خون کے چھینٹے سجا لیے، مگر قصائیوں کو پیسے دے کر قربانی بھی کروالی۔ قصابوں کو دو کلو گوشت دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا ہے کہ اجرت کے عوض پیسے دیے اور ساتھ مفت میں گوشت دینے سے مسکینوں کے حق پر ڈاکا پڑے گا اور قربانی کا ثواب کرکرا ہو جائے گا۔

دوران قربانی قصابوں سے گٹھ جوڑ کر لیا اور ان کے ساتھ مل کر پیسے کمانے کی ٹھان لی۔ عید کے تینوں دن وہ اپنے قصائی دوستوں کے ساتھ گھر گھر جا کر قربانیاں کرواتا رہا اور گھر آ کر سینے پر ہاتھ مار کر کہتا: ''ہر گھر کی قربانی دیکھی مگر اپنے بکرے کا کوئی پاسنگ بھی نہیں دکھا۔''

اہلِ خانہ کو بتایا: ''میں دوستوں کے ساتھ مصروف تھا، ہر گھر کی قربانی کا حصہ ادا کیا ہے۔ ''مگر حقیقت یہ تھی کہ وہ گوشت کے تھیلے سنبھالتا رہا، جیب میں پیسے ڈالتا رہا اور دل کی زمین پر ایک بھی چھری خلوص کی نہ چلی۔

تیسرے دن شام، بچے بازار چلنے کو کہنے لگے۔ بیٹے نے کہا: ''ابو، کچھ پیسے زیادہ مل جائیں تو اچھا کھلونا آ جائے گا۔''

درزی جھنجھلا گیا:

"میں نے تمہارے لیے لاکھ روپے کا بکرا خریدا! اب پیسے کہاں سے آئیں گے؟"

گویا بکرا نہیں، ان کی خواہشیں قربان ہوئیں۔

چوتھی شب درزی کو خواب آیا: سیاہ بکرا تین چور، ایک اندھیری گلی۔ رسی کھلتی ہے اور بکرا چھن جاتا ہے۔ درزی بکرے کا تعاقب کرتا ہے، لاکھ ہاتھ پاؤں مارنے کے باوجود بکرے کو پکڑ نہیں پاتا۔ اچانک دو نقاب پوش درآمد ہوتے ہیں۔ آہ و پکار سنے بغیر گندہ غلیظ گوشت اس کے منہ میں ٹھونسنے لگتے ہیں۔ بکرے کی کھریاں جیبوں میں بھر دیتے ہیں۔ زبردستی خود کو چھڑانے کی کوشش کرتا ہے تو خون اور پیپ کے بھرے نالے میں جا گرتا ہے۔ وہ چیختا ہے، دوڑتا ہے، پسینے میں بھیگا ہوا بستر سے ہڑبڑا کر اٹھتا ہے۔

بیوی جاگتی ہے۔

"خیر تو ہے؟ خواب میں کیا دیکھا؟"

وہ ہنسا اور ہنسی میں خالی پن عیاں تھا:

"ارے وہ بکرا... چوری ہو گیا!"

بیوی نے حیرانی سے کہا:

"کیا بات کرتے ہیں، وہ تو تین دن پہلے قربان ہو چکا۔ آپ تو کہتے تھے ہر جگہ خود موجود رہے۔ کچن میں دیکھیں، اس کا گوشت رکھا ہے۔"

درزی نے کچن کی طرف نظر دوڑائی۔ فریزر سے ٹھنڈی ہنسی سنائی دی۔ ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے گوشت پر تحریر لکھی ہو:

"نہ خلوص تھا، نہ قربانی۔"

اگلے دن، وہ دکان پر بیٹھا بٹن لگا رہا تھا۔ سامنے اخبار کھلا پڑا تھا۔۔۔ صفہ اول پر ایک تصویر دیکھتا ہے:

"ایک عورت، خون آلود چادر میں لپٹے بچے کے وجود کو سینے سے لگائے، جیسے ابراہیم اپنے بیٹے کو رب کی رضا کے لیے پیش کر رہے ہوں، شہید بچے کی ماں، بیٹے کے وجود کے ساتھ رخصت ہوتی سنت ابراہیمؑ کو ارد گرد پھیلی تاریکی کے ساتھ تقابل کر کے دیکھتی ہے۔"

درزی کی آنکھوں میں ایک سایہ ابھرا۔ریا کی ترازو، خلوص کے میزان کے سامنے کانپنے لگی۔"وہ تھی قربانی، خالص، بے ریا، بے غرض اور میں۔۔۔۔؟ میں تو قینچی ہوں جو ہر کپڑے کو کاٹنا اپنا حق سمجھتی ہے۔"

اس نے بٹن کا دھاگا توڑ دیا۔

اس روز سے دکان پر نئی تختی لگی:

"درزی فن پارہ نہیں——درزی آئینہ"

مگر آئینہ صرف دیکھنے والے کو نظر آتا ہے،

جسے دیکھنے کی جرأت ہو۔